خودکش حملوں کی شرعی حیثیت

اشتیاق احمد

اسلام کے افضل ترین اعمال میں سے ایک جہاد اور شہادت ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کسی عمل کے جہاد ہونے اور کسی موت کے شہادت ہونے کے لیے شریعت میں کوئی نظیر کوئی ایسی مثال موجود ہو جو اس کے لیے دلیل بن سکے۔ کیونکہ ایسی مثال کی عدم موجودگی میں وہ عمل معتبر نہ ہوگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جنگ کے طریقہ کار اور اس میں استعمال ہونے والے آلات میں ہوشربا جدت آ چکی ہے جن کی مثال ماضی میں نہیں ملتی اور صورت حال یہ ہے کہ دو بدو لڑائی کی نسبت ہزاروں میل دور بیٹھ کر زیادہ پر اثر جنگ کی جا سکتی ہے۔

استشہادی کارروائیاں دورِ نبوی میں بھی معروف تھیں مگر اس زمانے کے ہتھیاروں کی مدد سے سرانجام دی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں تمام کے تمام ہتھیار ایسے تھے جن کو اپنے جسم سے دور رکھ کر کام میں لایا جاتا تھا اور دشمن پر بڑھ کر وار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اب ہم اسلام کے اولین دور میں کی جانے والی چند استشہادی کارروائیوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور طوالت سے بچنے کے لیے ان دلائل کو نقل کرنے کے بعد ان سب پر ایک تبصرہ کریں گے۔

امام مسلم بن الحجاجؒ اپنی کتاب میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

"حدثنا سعید بن عمرو الاشعثی و سوید بن سعید . واللفظ لسعید . اخبرنا سفیان عن عمرو: سمع جابراً یقول : قال رجل : أین أنا، یا رسول اللہ ! إن قتلت قال "فی الجنة" فالقی تمرات کن فی یدہ ثم قاتل حتی

قتل " (۱)

"ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جنت میں چنانچہ اس نے چند کھجوروں کو پھینک دیا جو اس کے ہاتھ میں تھیں پھر دشمنوں کی صف میں گھس گیا اور مرتے دم تک لڑتا رہا"

امام مسلم ہی ایک اور حدیث روایت فرماتے ہیں:

"ابی بکر بن عبدالله بن قیس عن ابیه قال سمعت ابی و هو بحضرة العدو یقول قال رسول الله ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف فقام رجل رث الهیئة فقال یا أبا موسی انت سمعت رسول الله یقول هذا قال نعم قال فرجع الی اصحابه فقال اقرأ علیکم السلام ثم کسر جفن سیفه فالقاه ثم مشی بسیفه إلی العدو فضرب به حتی قتل "(۲)

"ابو بکر بن عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو جو دشمن کے مدّ مقابل کھڑے تھے یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یقیناً جنت تلواروں کے سائے تلے ہے" تو ایک پراگندہ حال شخص اٹھا اور کہنے لگا ابوموسیٰ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے۔ ابوموسیٰ بولے ہاں۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہنے لگا میں تم کو آخری سلام کرتا ہوں پھر اپنی نیام توڑ کر پھینک دی اور تلوار لے کر دشمن کا رخ کیا اور مرتے دم تک تلوار زنی کرتے رہے"

امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر اپنی کتاب میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

"قال ابن اسحاق : و حدثنی عاصم بن عمر بن قتاده ، أن عوف بن الحارث ، وهو ابن عفراء ، قال یا رسول الله ما یضحک الرب من عبده ؟ قال ((غمسک یده فی العدو حاسرا)) فنزع درعا کانت علیه فقذفها ثم اخذ سیفه فقاتل حتی قتل " (۳)

''ابن اسحاق نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے کہ عوف بن حارث نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ کیا چیز رب کو راضی کر دیتی ہے اس کے بندے سے تو نبی ﷺ نے فرمایا ''تیرا دشمن میں ہاتھ گھسا دینا جبکہ تیرے بدن پر کچھ نہ ہو''۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زِرہ اتار کر پھینک دی پھر اپنی تلوار اٹھا کر قتال کیا یہاں تک کہ قتل ہو گئے''

اسی طرح امام بخاری جنگ احد میں ابوطلحہؓ کی شجاعت کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

''عن قیس قال : رأیت ید طلحة شلا وقی بها النبی یوم احد '' (۴)

''حضرت قیس فرماتے ہیں کہ میں نے ابوطلحہؓ کے ہاتھ کو دیکھا کہ وہ شل ہے، اس ہاتھ سے احد کے دن انہوں نے آپ ﷺ کا دفاع کیا تھا''

امام قرطبی اپنی تفسیر میں اہل فارس کے خلاف واقعہ جسر کے حوالے سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:

''أن عسکر المسلمین لما لقی الفرس نفرت خیل المسلمین من الفیلة ، فعمد رجل منهم فصنع فیلا من طین و انس به فرسه حتی الفه فلما اصبح لم ینفر فرسه من الفیل فحمل علی الفیل الذی کان یقدمها فقیل له : انه قاتلک فقال : لا ضیر أن اقتل و یفتح للمسلمین '' (۵)

''مسلمانوں کے لشکر کا اہل فارس سے مقابلہ ہوا تو مسلمانوں کے گھوڑے ہاتھیوں سے بدک گئے۔ چنانچہ ایک شخص نے گارے کا ہاتھی بنا کر اپنے گھوڑے سے اس کو مانوس کیا۔ چنانچہ اگلے دن اس کا گھوڑا ہاتھی سے نہ بدکا اور اس شہسوار نے ہاتھیوں کی قیادت کرنے والے ہاتھی پر حملہ کر دیا اس سے کہا گیا کہ ہاتھی تمہیں مار دے گا، تو وہ بولا: مسلمانوں کو فتح ہو جائے مجھے مرنے کی کوئی پرواہ نہیں''۔

اسی طرح محمد الخضری اپنی کتاب میں ایک روح پرور واقعہ بیان کرتے ہیں:

"وفی یوم الیمامه : لما تحصن بنو حنیفة فی بستان مسیلمة الذی کان یعرف بحدیقة الرحمن أو الموت، قال البراء بن عاذب لا اصحابه : صنعونی فی الجحفة (وهی ترس من جلد کانت توضع به الحجارة و تلقی علی العدو) و ألقونی الیهم فالقوه علیهمْ فقاتلم حتی فتح الباب المسلمین " (۶)

"جنگ یمامہ میں جب بنوحنیفہ نے مسیلمہ کذاب کے حدیقۃ الرحمٰن یا حدیقۃ الموت نامی باغ میں پناہ لی تو حضرت براء بن عاذب نے اپنی ساتھیوں سے کہا کہ مجھے جحفہ میں ڈال کر ان پر پھینک دو۔ (جحفہ ایک قسم کی ڈھال تھی جس میں پتھر ڈال کر دشمن پر پھینکے جاتے تھے) پس ساتھیوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ براء بن عاذب مسیلمہ کے ساتھیوں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ دروازہ کھول دیا"

مذکورہ بالا بحث میں ہم نے حضرت محمد ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کے مبارک ادوار کے چند واقعات نقل کیے ہیں۔ ان تمام واقعات میں شریک افراد کے اندر ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی خواہش کی انتہاء شہادت، اسلام اور مسلمانوں کی فتح ہے۔ ان حضرات میں سے خواہ وہ شخص ہو جس نے اپنی موت کے عوض حضرت محمد ﷺ سے اپنا اخروی ٹھکانہ پوچھا تھا۔ یا وہ شخص جس نے اپنی تلوار کی نیام توڑ دی تھی کہ دشمن سے ہاتھ کھینچنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ خواہ وہ عوف بن حارث ہوں جنہوں نے یہ جاننے کے بعد کہ رب کی رضا ننگے بدن دشمن پر حملہ کرنے میں ہے، دشمن پر حملہ کر دیا (اور ایسی سعی کا لازمی نتیجہ شہادت تھا)۔ یا براء بن عاذب ہوں جنہوں نے اپنے آپ کو دشمن سے بھرے قلعے کے اندر پھینک دینے کا کہا تھا۔ چنانچہ یہ تمام تاریخی شواہد خودکش حملے کے جواز پر دال ہیں۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت موجودہ زمانے سے مختلف تھی مگر مقصد اس زمانے میں بھی وہی ہے جو اس دور میں تھا۔

خودکش حملے کی ضرورت ونوعیت

ازل سے کائنات میں خیر وشر کی قوتیں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فریقین نے ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی خاطر نت نئے طریقہ ہائے جنگ اختیار کیے، ہتھیاروں کی نئی سے نئی اقسام ایجاد ہوئیں۔ ہتھیاروں کی یہ ایجادات ارتقائی منازل طے کرتی گئیں۔ ابتداء پتھر اور لکڑی کو لڑائیوں اور شکار کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ جبکہ دھات کی دریافت کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور اس وقت سے ہتھیاروں کی جدید سے جدید اور تباہ کن اقسام بنانے کا ایک لامتناہی سلسلہ تا حال جاری وساری ہے۔

جنگ میں کبھی تو دشمن پر آگے بڑھ کے حملہ کیا جاتا ہے۔ جس میں اپنے پہلے سے متعین مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ (لیکن جنگ کی یہ صورت تب پیدا ہوتی ہے جبکہ وسائل وافر ہوں) جبکہ ایک صورت مدافعانہ جنگ کی ہوتی ہے۔ اس صورت میں وہ فریق جس پر حملہ کیا جائے اگر تو کمزور ہے اور اس کے پاس وافر وسائل نہیں ہیں تو وہ اپنے دستیاب وسائل سے مدد لے کر دشمن سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور اس کو شکست دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے حالات میں وسائل کی کمی کی وجہ سے اس کے لیے دشمن کے خلاف باقاعدہ صف بندی کر کے لڑنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ گوریلا انداز میں لڑائی شروع کرتا ہے کہ کسی ایک جگہ سے چند افراد نکلے اور دشمن پر حملہ کر کے غائب ہو گئے۔ کبھی کسی اکیلے فرد کو فدائیانہ کاروائی کے لیے متعین کیا جاتا ہے کہ آخری دم تک دشمن کو نقصان پہنچانا ہے۔ لیکن ان صورتوں میں اب کچھ جدت آچکی ہے کہ پہلے تو ایسے ہتھیار تھے جن کو ایک شخص اپنے جسم سے دور رکھ کر کام میں لا سکتا تھا۔ لیکن بم کی ایجاد کے بعد ایک فدائی کے لیے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ اپنے جسم سے بم باندھے اور دشمن کی چھاؤنیوں، افواج کی صفوں یا عسکری کارخانوں وغیرہ میں چلا جائے اور اپنے آپ کو بھک سے اڑا دے تا کہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچے۔ یہ کاروائیاں اتنی پر اثر ہیں کہ ایک شخص انسانی بم بن کر تاریخ کے صفحات پر جرأت وشجاعت اور کامیابی کی ایسی داستان رقم

کرتا ہے جو بڑی بڑی افواج اور اسلحے کے انبار سے بھی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس وقت اسرائیل، کشمیر، عراق اور چیچنیا وغیرہ میں مسلمان مجاہدین جو اپنی جانوں کا اپنے رب سے سودا کر چکے ہیں اپنے دین اور بھائیوں کی سربلندی، شہادت کی طلب اور دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی خاطر ایسی کاروائیاں سرانجام دے رہے ہیں۔ کیونکہ ان جگہوں پر دشمن غاصب ہے۔

سید مودودیؒ مدافعانہ جنگ کی ضرورت کے بارے میں قرآنی احکام مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

''مسلمانوں سے جنگ کی جائے، ان پر ظلم وستم کیا جائے، گھر بار چھینیں جائیں، حقوق سلب کیے جائیں، مذہبی آزادی کے باعث تشدد کیا جائے، محض اس لیے ستایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں اور دشمن مسلمانوں کی سرزمین پر غلبہ کر کے ان کے اقتدار کو مٹا دے تو ان کے لیے مدافعانہ جنگ جائز ہے۔'' (۷)

ان خودکش یا استشہادی حملوں کے جواز اور عدم جواز کی بحث آئندہ صفحات میں آئیگی۔

یقینی موت کے باوجود دشمن میں گھسنے کے بارے میں علماء کی آراء

ایک مجاہد جب دشمنان دین کی صفوں میں اعلاء کلمۃ اللہ شہادت یا دشمن کو نقصان پہنچانے کی نیت سے گھستا ہے تو اس صورت میں کبھی تو اس کی موت یقینی ہوتی ہے اور کبھی غالب گمان ہوتا ہے اس بارے میں ذیلی بحث کے اندر چند علماء کے اقوال پیش خدمت ہیں۔

اوّل

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں مندرجہ ذیل قول نقل فرماتے ہیں:

''وقال محمد بن الحسن : لو حمل رجل واحد على الف رجل من المشركين وهو وحده لم يكن بذلك باس اذا كان يطمع فى نجاة او نكاية فى العدو : فان لم يكن كذلك فهو مكروه لا نه عرض نفسه

للتلف فی غیر منفعة للمسلمین . فان کا ن قصده تجرئة المسلمین علیهم حتی یصنعوا مثل صنعیه فلا یبعد جوازه و لا ن فیه منفعة للمسلمین علی بعض الوجوه؛ وان کان قصده ارهاب العدو و لیعلم صلابة المسلمین فی الدین فلا یبعده جوازه واذا کان فیه نفع للمسلمین فتلفت نسفه لاعزاز الدین الله وتوهین الکفر فهو المقام الشریف الذی مدح الله به المومنین "(۸)

''امام محمد بن حسن الشیبانیؒ فرماتے ہیں اگر کوئی اکیلا شخص ہزار مشرکوں پر حملہ آور ہو جائے تو اگر اس کو بچنے کی امید ہو یا دشمن کو زک پہنچانا مقصود ہو تو کوئی حرج نہیں ۔ اگر ایسا نہ ہو تو حملہ کرنا مکروہ ہوگا کیونکہ اس شخص نے مسلمانوں کے کسی فائدے کے بغیر اپنے آپ کو ضائع کر دیا اگر اس کا مقصود مسلمانوں کو جرأت دلانا ہو کہ وہ بھی اس کی طرح کریں تو اس کا جواز کوئی بعید نہیں ۔ کیونکہ اس صورت میں مسلمانوں کا فائدہ ہے ۔ اگر اس کا مقصد دشمن کو دہشت زدہ کرنا ہو اور دین پر مسلمانوں کی پختگی کا اظہار کرنا ہو تو بھی اس کا جواز بعید نہیں اگر اس کی جان کی قربانی میں مسلمانوں کو کوئی فائدہ ہو تو اس کی جان دین کی عزت اور کفر کی تذلیل کے لیے استعمال ہوئی اور یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی تعریف کی ہے''۔

دوم

ابو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''التھلکۃ کے بارے میں پانچ اقوال ہیں:

۱۔ گھر میں نفقہ نہ چھوڑنا ۲۔ بغیر زادراہ نہ نکلنا ۳۔ جہاد کو نہ چھوڑو

۴۔ ایسے جتھے پر حملہ نہ کرنا جس کے مقابلے کی طاقت نہیں ۵۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

طبری کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ ابن العربی چوتھے قول کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ مالکی علماء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں قوت ہو اور نیت خالص ہو۔ جبکہ ابن العربی کے نزدیک مقابلے کی طاقت نہ رکھنے والے کے لیے بھی دشمن پر حملہ درست ہے کیونکہ اس کی چار شکلیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔شہادت کی طلب ۲۔دشمن کی شکست ۳۔مسلمانوں کا حوصلہ بلند کرنا
۴۔دشمن کو نفسیاتی طور پر کمزور کرنا۔ (۹)

سوم

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

امام مسلم نے اصحاب اخدود کا قصہ آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اس قصے میں ہے کہ اس لڑکے نے دین کے غلبے کی مصلحت کے لیے اپنے آپ کو قتل کرنے کا کہا۔ اس لیے چاروں آئمہ نے، اگر مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہو تو قتل ہو جانے کے گمان غالب کے باوجود ایک مسلمان کے کافروں کی صفوں میں اکیلے گھس جانے کو جائز قرار دیا ہے۔ پس جب ایک شخص کے لیے جہاد کی مصلحت کے لیے ایسا کام کرنا جائز ہے جس میں اسے موت کا یقین ہے حالانکہ اس شخص کا اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنا دوسروں کو قتل کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے۔ تو جب جہاد کی مصلحت کے لیے مسلمانوں کے لیے ایسا کام کرنا جائز ہے جس میں اس کی جان جانے کا یقین ہے تو ایسا کام کرنا جائز ہوگا جو دین کی اس مصلحت کے لیے ہو جس کے بغیر وہ مصلحت حاصل نہ ہوسکتی ہو۔ (۱۰)

چہارم

خطیب شربینی فرماتے ہیں:

"والان بأن لم يمكن أهل البلدة التأهب لقتال بأن هجم الكفار عليهم بغتة ، فمن قصد من المكلفين ولو عبداً أو امرأة أو مريضا او نحوه دفع عن نفسه الكفار بالممكن له إن علم أنه إن اخذ قتل و إن جوز المكلف لنفسه الأسر : كان الامر يحتمل الخلاف، هذا ان علم انه إن امتنع من

الاستسلام قتل والا امتنع علیه استسلام" (۱۱)

"اگر اچانک حملے کی وجہ سے شہر والوں کے لیے جہاد کی تیاری ممکن نہ ہو تو جس بالغ شخص پر حملہ کیا جائے خواہ وہ غلام ہو، عورت ہو، بیمار ہو یا کوئی اور اسے معلوم ہو جائے کہ اگر وہ پکڑا جائے گا تو قتل کر دیا جائے گا تو ہر ممکن طریقے سے کفار سے اپنا دفاع کرے اور اگر کوئی بالغ شخص قید ہو جانے کو اپنے لیے جائز قرار دے گا تو اس میں اختلاف کا احتمال ہے کہ اگر اسے معلوم ہو کہ ہتھیار نہ ڈالوں تو قتل کر دیا جاؤں گا تو ہتھیار ڈالنا جائز ہوگا ورنہ ہتھیار ڈالنا جائز نہ ہوگا"

پنجم

ابن عابدین فرماتے ہیں:

"لا باس أن یحمل الرجل وحده و ان ظن انه یقتل اذا کان یصنع شیئا بقتل أو بجرح و یهزم ، فقد نقل ذلک عن جماعة من الصحابة بین یدی رسول الله ﷺ یوم احد☆ و مدحهم علی ذلک ، فاما ان علم انه لا ینکی فیهم فانه لا یحل له أن یحمل علیهم ، لانه لا یحصل بحمله علیهم شئ من اعزاز الدین" (۱۲)

"اگر کوئی آدمی دشمن کو قتل کر سکتا ہو اس کو زخم لگا سکتا ہو یا شکست دے سکتا ہو تو اس کے لیے اکیلے دشمن پر حملہ آور ہو جانے میں بھی کوئی بات نہیں اگر چہ اسے اپنے مارے جانے کا گمان ہو کیونکہ یہ عمل کئی صحابہؓ نے احد کے دن آپ ﷺ کے سامنے نقل کیا جبکہ آپ ﷺ نے ان کی تعریف کی ہے اگر حملہ آور کو معلوم ہو کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تو اس کے لیے حملہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کے حملے سے دین کے غلبے کا کوئی کام نہیں ہو سکتا"

مذکورہ بالا اقوال کو دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر حملہ آور کی نیت خالص ہو اور وہ دشمن کو زک پہنچانے کی خاطر دشمن پر حملہ کرے تو اس کا یہ عمل جائز ہی نہیں بلکہ ممدوح ہوگا۔ استشہادی

حملوں میں جان کی قربانی اس طریقے پر دی جاتی ہے کہ دشمن کو ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے۔ کیونکہ کوئی بھی شخص اگر یہ سمجھتا ہے کہ کسی اور طریقے سے دشمن کو استشہادی حملے کے برابر یا اس کے قریب قریب نقصان پہنچا سکتا ہے تو وہ استشہادی حملے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو استشہادی حملے جب خلوص نیت کے ساتھ ہوں تو جائز ہیں۔ اگر نیت دنیوی ہوگی تو خواہ وہ قتل کا سبب بنے یا براہِ راست قتل ہو اس کی اجازت نہ ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص ٹرین کی پٹڑی پر لیٹ جائے، زہر کھالے، اپنے آپ کو گولی مار دے یا کسی کو اپنے آپ کو مارنے کا کہے وغیرہ۔ کیونکہ کسی عمل کی صحت اس کی نیت کے ساتھ مشروط ہے اور آخرت میں ہر شخص کو وہی ملے گا جس کا وہ ارادہ کرے گا۔

خودکش حملوں کے جواز کے بارے میں اشکالات

عصر حاضر میں کئے جانے والے خودکش یا استشہادی حملوں کے جواز کے بارے میں عموماً عامۃ الناس کے ذہنوں میں کئی اشکالات وارد ہوتے ہیں۔ ان اشکالات میں سے دو اہم ترین اشکالات یا اعتراضات کا ہم مندرجہ ذیل بحث میں جائزہ لیں گے:۔

اوّل

خودکش حملہ آور دشمن کے ہاتھ سے نہیں مرتا بلکہ اپنے آپ کو اپنے عمل سے قتل کرتا ہے لہذا یہ عمل خودکشی ہے۔

دوم

ان کارروائیوں میں ایسے لوگ بھی قتل ہوتے ہیں جن کے قتل کی شریعت اجازت نہیں دیتی مثلاً وہ لوگ جو قتال نہیں کرتے جیسے شہری بچے اور عورتیں وغیرہ۔

اشکالات کا جواب

ان اشکالات کے جواب کے سلسلے میں ہم اپنی بحث کا آغاز خودکشی کے لغوی و اصطلاحی

معانی سے کریں گے اس کے بعد اس کے حکم اور متعلقات پر بات ہوگی۔ بحث کے دوران قرآنی آیات کا مفہوم اور اس بارے میں علماء کی آراء کا تذکرہ بھی کریں گے اور احادیث سے بھی رہنمائی حاصل کریں گے۔

خودکشی کے لغوی معنی

مجدالدین فیروز آبادی خودکشی کے معنی مندرجہ ذیل لکھتے ہیں:

"قتل النفس و منه انتحر الرجل: ای قتل نفسه" (۱۳)

''آدمی کا اپنے آپ کو قتل کر ڈالنا''

ابن منظور بھی خودکشی کے یہی معنی کرتے ہیں

"انتحر الرجل ای نحر نفسه "(۱۴)

''اس نے اپنی جان کو ذبح کر لیا''

خودکشی کی اصطلاحی تعریف

شریعت اسلامیہ میں خودکشی کی تعریف اور اس کا حکم جاننے سے قبل بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وہ تعریف دیکھ لیں جو مغربی مفکرین کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سلسلے میں اصل پروپیگنڈہ انہی کی طرف سے جاری ہے۔

Emile Durkheim Says:

"The term suicide is applied to all cases of death resulting directly or indirectly from a positive or negative act of the victim himself, which he knows will produce this result."(15)

"خودکشی کی اصطلاح کا اطلاق موت کی ان تمام صورتوں پر ہوتا ہے جو کسی شخص کے اپنے مثبت یا منفی بالواسطہ یا بلا واسطہ عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور اس عمل کے بارے میں وہ جانتا ہو کہ یہ یہی نتیجہ فراہم کرے گا۔"

ابو عبداللہ القرطبی خودکشی کی شرعی تعریف کرتے ہیں:

"ھو ان یقتل الا نسان نفسه بقصد منه للقتل فی الحرص علی الدنیا و طلب المال، او قتل النفس فی غضب اوضجر" (۱۶)

" کسی انسان کا دنیا کے لالچ اور مال کی طلب میں اپنے ارادے سے اپنے آپ کو مار ڈالنا یا غصے اور تنگی کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرنا"

ان دونوں تعریفات کے اندر صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ خودکشی کا ارتکاب کرنے والا شخص اپنے عمل سے ایسا کرتا ہے اور اس کا ایسا کرنا اپنی نفسانی خواہشات سے مغلوب ہونے کا مظہر ہے۔ اس عمل سے اس کا مقصد قطعاً یہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے دین اور اپنے وطن کی آزادی اپنے دوستوں اور بھائیوں کی ناموس کی حفاظت کے لیے ایسا کر رہا ہے، اور اس کا محرک دین نہیں بلکہ حرص، طمع، لالچ، غصہ، سیاست یا اللہ کی رحمت بے پایاں سے مایوسی ہے۔ یعنی خودکشی کا مطلب ہے اپنے آپ کو کسی ایسے دنیوی کام پر مجبور کرنا جو جان کی ہلاکت کا باعث بنے۔

خودکشی کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ولا تقتلو ا انفسکم﴾ (۱۷)

سید مودودیؒ ان الفاظ کا ترجمہ اور تفسیر مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو"

یہ فقرہ پچھلے فقرے کا تتمہ بھی ہوسکتا ہے اور خود ایک مستقل فقرہ بھی۔ اگر پچھلے فقرے کا تتمہ سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھانا خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ دنیا میں اس سے نظام تمدن خراب ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ اگر مستقل فقرہ سمجھا جائے تو اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو دوسرے یہ کہ خودکشی نہ کرو۔ (۱۸)

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس سے مراد لوگوں کو ایک دوسرے کے قتل سے منع کرنا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے ارادے، دنیا کے لالچ اور طلب مال میں اپنے آپ کو قتل کرتا ہے یا ایسے نقصان میں ڈال دیتا ہے جو ہلاکت کا سبب ہے تو یہ معنی بھی اس آیت کو شامل ہیں۔ یہ ممانعت بھی ہے کہ تنگی اور غصے کی حالت میں اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ (۱۹)

مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں:

"اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، اس میں باتفاق مفسرین خودکشی بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ ایک، دوسرے کو ناحق قتل کرے" (۲۰)

امام بخاریؒ ایک حدیث روایت فرماتے ہیں:

"كان فيمن كان قبلكم رجل به جرح، فجزع فاخذ سكينا فجز بها يده فما رقا الدم حتى مات قال الله تعالىٰ: بادرنى عبدى بنفسه حرمت عليه الجنة" (۲۱)

"تم سے پہلے لوگوں میں ایک زخمی شخص تھا۔ وہ درد برداشت نہ کرسکا چنانچہ چھری لے کر اپنا ہاتھ کاٹ دیا اس کے زخم سے خون جاری ہوگیا اور اس کا خون نہ رک سکا یہاں تک کہ وہ مرگیا تو اللہ نے فرمایا میرے بندے نے اپنا آپ مجھ سے آگے لے جانے کی کوشش کی۔

میں نے اس پر جنت حرام کردی"۔

ایک متفق علیہ حدیث ہے ذیل میں ہم بخاریؒ کے الفاظ نقل کریں گے۔

"ومن قتل نفسه بشی عذب به فی نار جهنم "(۲۲)

"جو اپنی جان کو کسی چیز سے قتل کرے گا دوزخ کی آگ میں اس کو اسی سے عذاب دیا جائے گا"۔

مذکورہ بالا دلائل خودکشی کی حرمت پر دلالت کر رہے ہیں حضرت جندبؓ کی حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہے کہ قتل کا سبب دنیوی مصیبت پر بے صبری ہے جس کی وجہ سے اس پر جنت حرام کردی گئی۔ اس طرح وہ واقعہ بھی اسی قبیل میں ہے کہ ایک شخص نے جنگ میں خوب شجاعت دکھائی مگر زخموں کی تکلیف برداشت نہ کرسکا اور اپنی جان ختم کرلی۔ پھر نبی ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ چنانچہ ان تمام حالتوں میں دنیوی مصیبتوں سے چھٹکارا پاکر راحت حاصل کرنا مقصد ہے نہ کہ اعلائے کلمۃ اللہ یا دشمن دین کا نقصان۔

لہذا امام قرطبیؒ خودکشی کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے اپنی جان کا ضائع کرنا جائز نہیں خواہ وہ ایسا دنیا کی طلب یا کسی مصیبت سے دلبرداشتہ ہوکر یا کسی مرض کی وجہ سے خواہ وہ مرض قابل علاج ہو یا نہ ہو یا کسی آفت کی وجہ سے خواہ وہ آفت قدرتی ہو یا کسی معرکے میں دشمن کی جانب سے لاحق ہوگئی ہو مثلاً گرفتار ہوگیا یا دنیا کے کسی اور کام کے سبب مثلاً تجارت میں نقصان ہوگیا کوئی دوست داغ مفارقت دے گیا یا پڑھائی میں ناکامی کا سامنا ہوا وغیرہ وغیرہ بلکہ ایسا کرنے والا اگر اس قتل کو حلال نہ سمجھنے کے باوجود کرے تو کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا اور اگر حلال سمجھ کر کرے تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔(۲۳)

چنانچہ اس تمام بحث کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص زندگی سے مایوس ہو کر اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر یا میدان جنگ کے کسی زخم کے سبب یا کسی لاعلاج مرض وغیرہ کے سبب اپنی زندگی کا خاتمہ کرے گا تو یہ ناجائز ہوگا۔ علماء نے اس شخص کے لیے خودکشی کو جائز رکھا ہے جس کے پاس کوئی ایسا راز یا معلومات ہوں جو دشمن کے ہاتھ لگنے سے اسلام یا مسلمانوں کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ چنانچہ مذکورہ بحث کے بعد یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت ہندوؤں اور سکھوں سے اپنی عزت و ناموس اور دین کی حفاظت کی خاطر جن عورتوں نے اپنی جانوں کو ختم کر لیا ان کا یہ اقدام بھی جائز تھا۔

التھلکۃ کا مفہوم

ارشاد ربانی ہے: ﴿وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدکم الی التھلکۃ﴾ (۲۴)

"اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو"

اس آیت کے بارے میں مفسرین کی آراء جاننے سے قبل بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے اسباب نزول کے متعلق ان اقوال کو دیکھ لیا جائے جو امام واحدی نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔

شعبی کی روایت ہے کہ انصار نے اپنے آپ کو انفاق فی سبیل اللہ سے روکا تو یہ آیت نازل ہوئی، عکرمہ کی روایت میں مطلقاً یہ ہے کہ یہ اللہ کے راستے میں نفقات کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ ابی بن جبیر نے کہا کہ انصار صدقہ کرتے تھے اور کھلاتے تھے پھر ایک سال ان کو قحط لاحق ہوا تو انہوں نے اپنے آپ کو روکا چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ نعمان بن بشیر کا قول ہے کہ کسی آدمی نے گناہ کیا پھر یہ کہا کہ میرے لیے کوئی مغفرت نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حکم بن عمران کی روایت ہے کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے وہاں مصریوں کی قیادت عقبہ بن عامر جہنی اور اہل شام کی قیادت فضالہ بن عبید کر رہے تھے۔ پھر شہر سے رومیوں کی ایک بڑی فوج نکلی ہم نے بھی اس کے لیے مسلمانوں میں سے ایک بڑی فوج بھیجی پھر

ایک شخص مسلمانوں میں سے رومیوں کی صفوں میں داخل ہو گیا تو لوگ چیخے کہ سبحان اللہ یہ تو اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے تو ابو ایوب انصاریؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ تم اس آیت کی غلط تفسیر کر رہے ہو۔ یہ آیت ہم انصاریوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اللہ نے اپنے دین کو غلبہ عطا کیا اور اس کے مددگاروں کو بڑھا دیا پھر ہم نے آپس میں دھیرے دھیرے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارے مال ضائع ہو چکے ہیں تو اگر ہم ان کی اصلاح کے لیے رک جائیں کہ وہ ضائع نہ ہوں۔ چنانچہ اللہ نے اپنی کتاب میں ہمارے رد کے طور پر یہ آیت اتاری۔ (۲۵)

امام قرطبیؒ نے التھلکۃ کے معنی بیان کرتے ہوئے صحابہ و تابعین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ کہ جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کو چھوڑ کر مال کے ساتھ مصروف ہو جانا ہلاکت ہے اور سدی کا قول ہے کہ "اگر ایک رسی بھی خرچ کر سکتے ہو تو کر ڈالو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو کہ یوں کہو کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ (۲۶)

علامہ شوکانیؒ نے ایک روایت اپنی تفسیر میں نقل کی ہے جس میں التھلکۃ کے معنی بخل (یعنی کنجوسی) کے لیے گئے ہیں۔ (۲۷)

سید مودودیؒ فرماتے ہیں:

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد اللہ کے دین کو قائم کرنے کی سعی و جہد میں مالی قربانیاں کرنا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم خدا کے دین کو سربلند کرنے کے لیے اپنا مال خرچ نہ کرو گے اور اس کے مقابلے میں اپنے مفاد عزیز رکھو گے تو یہ تمہارے لیے دنیا میں بھی موجب ہلاکت ہو گا اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تم کفار سے مغلوب ہو کر رہو گے اور آخرت میں تم سے سخت باز پرس ہو گی۔ (۲۸)

مذکورہ بحث میں قدیم و جدید علماء کی آراء کو جاننے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اصل ہلاکت اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے رکنا ہے چاہے کوئی اپنا مال خرچ کرے

یا اپنی جان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ اور ایک مجاہد یا خودکش حملہ آور اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جان کو اس کی راہ میں کرچ کر دیتا ہے، بیچ ڈالتا ہے اور اس کے عوض اس کی رضا اور جنت حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ ہمارا ہر وہ عمل جو دین کے غلبے میں رکاوٹ بنے وہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اور کسی حملہ آور کو معلوم ہو کہ اس کے حملے میں اس کی اپنی جان ہی جائے گی دشمن کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا تو یہ عمل ہلاکت ہوگا۔ لہذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ زندگی کی محبت اور ایسی بزدلی جو دین اور امت کے دشمنوں کو اکٹھا کر دے ہلاکت ہے۔ اور ہمارے دین میں تو موت کا پیچھا کرنے سے دائمی زندگی ملتی ہے۔

نہتے شہریوں کے مارے جانے کے اشکال کی تحقیق

جب اسلام نازل ہوا تو عربوں کے ساتھ ساتھ اس دور کی متمدن قوموں روم و ایران کے ہاں بھی مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز موجود نہ تھا۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اسلام نے جنگ میں کسی بھی قسم کا حصہ نہ لینے والے افراد کے قتل سے نہ صرف منع فرمایا ہے بلکہ ان کی حفاظت کے قوانین بھی بنائے ہیں۔ لیکن عصر حاضر میں عالمی امن کے ٹھیکیداروں اور دنیا کو نام نہاد آزادی دلوانے کے علمبرداروں نے میدان جنگ کی بجائے شہری آبادیوں کو بلڈوز کرنے اور ان پر بمباری کر کے نہتے شہریوں کے قتل میں تاریخ رقم کر دی ہے۔ ذیلی بحث میں ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند ایک دلائل نقل کریں گے اور وہ صورتیں بھی واضح کریں گے جن میں عام شہری کا قتل مباح ہو جاتا ہے۔ حضرت سلمان بن بردہؓ سے روایت ہے کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ کوئی سریہ بھیجتے تو حکم دیتے:

"اغزوا باسم الله فی سبیل الله ، قاتلوا من کفر بالله، اغزوا ، ولاتغلوا ولا تمثلوا ، ولا تقتلوا ولیدا....." (۲۹)

"اللہ کا نام لے کر اس کی راہ میں لڑو، جو اللہ کا انکار کرے اس سے لڑو، لڑو اور غنیمت میں خیانت نہ کرو اور مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو"

ابن عمرؓ سے روایت ہے:

"ان امرا وجدت فی بعض مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتولة فانکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ واله وسلم قتل النساء والصبیان ."(۳۰)

آنحضرت ﷺ کی ایک جنگ میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔

اہل حرب میں سے بعض گروہوں کی حفاظت کے بارے میں وارد احادیث کی ایک کثیر تعداد میں سے یہ چند ایک روایات ہیں۔

امام نوویؒ ابن عمرؓ سے مروی روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

اس حدیث پر عمل اور جب تک خود نہ لڑیں عورتوں اور بچوں کی حرمت پر علماء کا اختلاف ہے اگر لڑیں تو جمہور کے ہاں وہ بھی قتل کئے جائیں گے۔(۳۱)

مندرجہ بالا بحث میں مذکورہ احادیث میں عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے پھر امام نوویؒ نے تشریحاً فرمایا ہے کہ اگر وہ لڑیں تو قتل کیے جائیں گے۔لہذا اسلام نے بے ضرر شہریوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔خواہ وہ عورتیں اور بچے ہوں یا بوڑھے اور بیمار ہوں۔

وہ صورت جس میں شہریوں کا قتل مباح ہے

اگر ایسے شہری ہوں کہ وہ براہ راست تو جنگ میں حصہ نہ لیں مگر مادی یا معنوی طور پر یا جنگ میں مشورہ میں مدد دیں یا عورتیں ہوں کے وہ کوئی ایسا کام کریں کہ اس میں مشغول ہو کر مسلمانوں کے غافل ہونے کا اندیشہ ہو یا ان عورتوں کا یہ کام دشمن کو جنگ پر اُبھارنے جیسا کہ اکثر زمانہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں ہوتا تھا کہ عورتیں اپنے مردوں کو جنگ سے فرار ہونے سے روکنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتی تھیں۔ہم یہاں صرف چند ایک احادیث سے استدلال کریں

گے اور بحث کو مکمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

ابوداؤدؒ مراسیل میں عکرمہ سے روایت کرتے ہیں :

"ان النبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم مر با مراۃ یوم حنین ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم(من قتل ھذہ؟)فقال رجل : انا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم غنمتھا و اردفتھا خلفی ، فلمارات الھزیمۃ فینا اھوت الی قائم سیفی لتقتلنی فقتلتھا ، فلم ینکر علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم "(۳۲)

''نبی ﷺ کا حنین کے دن ایک عورت پر گزر ہوا۔ آپؐ نے استفسار فرمایا کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ ایک شخص نے جواب دیا اللہ کے رسول ﷺ میں نے اس کو غنیمت میں پایا اور اپنے پیچھے سوار کیا۔ جب اس نے ہماری شکست دیکھی تو مجھے مارنے کے لیے میری تلوار کے دستے کی جانب لپکی۔ چنانچہ میں نے اس کو قتل کر دیا تو رسول اللہؐ نے اس عمل کو برا نہ جانا''۔

ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے:

"لما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حنین بعث ابا عامر علی جیش الی او طاس ، فلقی درید بن الصمۃ، فقتل درید و ھزم اللہ اصحابہ...(۳۳)

"جب نبی ﷺ حنین سے فارغ ہوئے تو ایک لشکر دے کر ابو عامر کو اوطاس کی جانب بھیجا جن کا درید بن صمہ سے آمنا سامنا ہوا اور وہ مارا گیا اور اللہ نے اسکے ساتھیوں کو شکست دی"

مذکورہ احادیث میں ان صورتوں اور اسباب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی وجہ سے ان

شہریوں کا قتل مباح ہو جاتا ہے نبی ﷺ نے اس عورت کے قتل کے بارے میں استفسار اس کے قتل کے ممنوع ہونے کی وجہ سے کیا تھا مگر جب قاتل نے وجہ بتائی تو آپ ﷺ نے نکیر نہ فرمائی۔ درید بن صمہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ تقریباً ایک سو ساٹھ سال کا تھا۔ خود تو لڑنے کی سکت نہ رکھتا تھا مگر جنگ میں مشورے دیتا تھا اور ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل پر بھی نکیر نہیں فرمائی۔ پھر ایک صورت اور بھی ہے کہ اگر کفار ایسے لوگوں کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال بنالیں تو بھی ان کا قتل جائز ہے۔ اگر ہم اسرائیل کا جائزہ لیں تو یہ وہ واحد ملک ہے جس میں عورتوں پر جنگی تربیت لازمی ہے اور اٹھارہ سال کے بعد عورتوں کے لیے سال میں ایک مہینہ فوجی تربیت لازمی ہے تاکہ وقت پڑنے پر ان کو فوج میں شامل کیا جا سکے۔ رہے اسرائیل کے بوڑھے اور کسان، تو وہ زبردستی مسلمانوں کے علاقے پر قابض ہیں۔ اس طرح اسرائیل کا معاشرہ پورا ایک عسکری معاشرہ ہے لیکن پھر بھی قصداً ان شہریوں کے قتل سے پرہیز کیا جائے گا اگر زد میں آجائیں تو ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔

خودکش حملوں کے بارے میں عصر حاضر کے چند علماء کی آراء

شریعت میں خودکش حملوں کی نظیر کی تلاش میں ہم اس سے پیشتر دور نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے ادوار کے چند واقعات اور سلف صالحین کی آراء کا جائزہ لے چکے ہیں۔ لہٰذا آئندہ صفحات میں ہم موجودہ زمانے کے ان اہل علم حضرات کی آراء کو نقل کریں گے جنہوں نے ان استشہادی حملوں کی موجودہ صورت کو دیکھتے ہوئے مآخذ شریعت کے مطالعے کے بعد اپنی آراء مرتب کی ہیں۔ ذیلی بحث میں کہیں تو یہ آراء ان علماء کی کتب سے لی گئی ہوں گی اور کہیں ان سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات جو فتووں کی صورت میں ہیں ان سے استفادہ کریں گے۔ سوالات اور دلائل کے تکرار کی وجہ سے بے مقصد طوالت سے بچنے کے لیے ہم صرف اپنے الفاظ میں ان کی آراء کا تذکرہ کریں گے۔ ان آراء میں سے کچھ علماء کی آراء عدم جواز اور کچھ کی جواز پر مشتمل ہیں۔ ابتداً ہم عدم جواز کی آراء کو نقل کر کے ان پر تبصرہ کریں گے۔

عدمِ جواز کی آراء

شیخ حسن ایوب کی رائے

جو شخص دین اور مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر موت کو گلے لگا لے تو اس نے اپنی جان اپنے دین اور بھائیوں کی خاطر قربان کر دی اور یہ قربانی کا سب سے اعلیٰ اور ارفع درجہ ہے۔ اور اسلام کے اولین دور کے کتنے ہی واقعات اس بات کے شاہد ہیں اور علماء نے ان سب کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی فدائی دشمن کا جہاز غرق کرتا ہے، کسی ہوٹل، چھاؤنی، حربی کارخانے یا کسی عسکری عمارت کو تباہ کرتا ہے جس میں وہ خود بھی موجود ہے اور اس کو معلوم ہے کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں تو یہ جائز ہے لیکن بارود بھرا بیلٹ باندھ کر دوسرے لوگوں سمیت اپنے آپکو اُڑا دینا جائز نہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں وہ خود ضمناً قتل ہو رہا ہے اور اس میں جان بچ سکتی جبکہ دوسری صورت میں وہ خود اپنے آپ کو پہلے قتل کر رہا ہے ہو سکتا ہے وہ دوسرے کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ (۳۴)

شیخ حسن ایوب جس طرح ممکنات کی بات کر رہے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اپنے آپ کو دھماکے سے اڑانے میں وہ خود تو موت سے ہمکنار ہو جائے مگر دشمن بچ جائے تو ایسا تو اس وقت بھی ہو سکتا ہے جب دشمن کے کسی جہاز کو غرق کرنے یا چھاؤنی کو تباہ کرنے کے لیے کوئی دھماکہ کرے کہ وہ جہاز بھی غرق نہ ہو یا چھاؤنی تباہ نہ ہو اور وہ ختم ہو جائے۔ جبکہ ان کارروائیوں کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس سے دشمن کو اتنا زیادہ نقصان پہنچایا جا سکتا ہے جو کسی اور طریقے سے اکیلا شخص نہیں پہنچا سکتا۔ جب قصاص کی سزا دو گواہوں اور زانی کی سزا چار گواہوں پر موقوف ہے تو ان گواہیوں سے گمان غالب ہی حاصل ہوتا ہے جبکہ ان حملوں میں بھی گمان غالب پایا جاتا ہے (یعنی دشمن کو نقصان پہنچنے کا گمان) لہٰذا یہ حملے جائز ہیں۔

شیخ ناصر الدین البانی کی رائے

آج کل جو خودکش حملے ہو رہے ہیں وہ جائز بھی ہیں اور جائز نہیں بھی۔ اس متضاد قول کی تفصیل یہ ہے اگر اسلامی نظام کے ہوتے ہوئے اسلامی جہاد ہو اور خلیفہ یا امیر کے حکم سے

کوئی مجاہد ایسا حملہ کرے تو وہ جائز ہے اور اگر کوئی شخص خود رائی سے ایسا کر گزرے اور چند لوگوں کو مارنے کے لیے اپنی جان ختم کر دے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مزید فرمایا کہ آج کل جو بھی لشکر جہاد کر رہے ہیں یہ جہاد نہیں ہے۔ (۳۵)

شیخ صاحب ان حملوں کو اصلاً جائز قرار دیتے ہیں مگر جہاد سے مشروط قرار دیتے ہیں اور اس صورت میں اس کے خودکشی ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ جہاں تک امیر کے حکم کا تعلق ہے تو وہ مباح امور سے ہے حرام امور سے نہیں کیونکہ حدیث میں اللہ کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے۔ پھر وہ روایت بھی ہے جس میں کسی امیر نے طیش میں آ کر اپنے ماتحتوں سے لکڑیاں جمع کرنے کو کہا اور اپنی اطاعت کا حکم یاد دلا کر اس میں کود جانے کا حکم دیا۔ لیکن ان لوگوں نے ایسا نہ کیا تو نبی ﷺ نے ان کے اس عمل کو سراہا تھا۔ خلیفہ وقت کی موجودگی کی شرط کی وضاحت حضرت ابو بصیرؓ کے واقعے سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم اور اجازت لیے بغیر دشمن پر حملے کئے اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے اس فعل پر نکیر نہ فرمائی۔ چنانچہ جہاد خلیفہ کے وجود کا سبب بن سکتا ہے اگر ہم ان دونوں کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دیں تو مقصود حاصل نہ ہو سکے گا۔

جواز سے متعلق آراء

ذیلی بحث میں ہم نواف ہائل تکروری کی کتاب سے کچھ علماء کی آراء نقل کریں گے۔

اُردن کے چند علماء کا فتویٰ

استشہادی حملہ جائز اور جہاد ہے۔ ایسا کرنے والا مجاہدین کے اجر کا مستحق ہوگا اور اگر مارا جائے تو اللہ کے ہاں شہیدوں کا مرتبہ پائے گا یہ کارروائی ہلاکت نہیں ہے جیسے کہ ہمارے زمانے میں بعض جہلاء کہہ رہے ہیں جبکہ خودکشی اللہ کی رحمت سے مایوسی اس کے فیصلے پر عدم اطمینان اور آزمائش پر بے صبری پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ وہ شخص بھی اسی قبیل سے ہے جس نے زخم کی تکلیف سے دل برداشتہ ہو کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا۔

از ہر علماء محاذ کا فتویٰ

شریعت اپنے حق کی خاطر مرنے والے اور اللہ کی رحمت سے مایوسی اپنے رب سے نا اُمیدی اور زندگی سے نفرت کے سبب مرنے والے میں فرق کرتی ہے۔ ان میں پہلا شخص آنحضرت ﷺ کے فرمان (جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے) کے مطابق شہید اور دوسرا خودکش ہے۔ اس فتوے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب تک غاصب اپنے غصب پر قائم رہے اس کی جان اور خون کا کوئی احترام نہیں۔ یہودی، شہری اور لڑنے والے میں کوئی فرق نہیں کرتے اس لیے وہ سب اہل حرب ہیں۔

پروفیسر محمد الزحیلی کا فتویٰ

جب جنگ کا اعلان کر دیا جائے یا دشمن چڑھائی کر دے تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ فلسطین میں یہودیوں نے ملک پر قبضہ کیا، مالوں، جانوں اور عزتوں کو پامال کیا۔ مردوں اور عورتوں سب نے جنگ، قتل و غارت اور ظلم کے لیے اپنے آپ کو مکمل طور پر سپاہی بنا دیا۔ اس لیے ان کے خلاف ہر قسم کا جانی اور مالی جہاد اور ہر قسم کی قدیم اور جدید جنگی کارروائیاں جائز ہیں۔ ان کے خلاف کسی اکیلے فرد کی لڑائی کو بھی خودکشی نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ اللہ کے راستے میں شہادت ہو گی۔ بشرطیکہ اس کارروائی کا ہدف دشمن کو شکست اس کے دل میں اضطراب خوف اور بے چینی پیدا کرنا ہوتا کہ یہ عمومی جہاد کی تمہید اور اس کا حصہ بن سکے اور اس کی شرط یہ ہے کہ نیت درست ہو، اللہ کی رضا کے حصول کا مقصد اور ملک کو آزاد کرانے کا اور شریعت کو قائم کرنے کا ارادہ ہو۔

سابق قاضی قضاۃ مکہ شیخ عبداللہ بن حمید کا فتویٰ

مسلمانوں میں سے کسی فرد کا دھماکہ خیز بیلٹ یا کوئی اور چیز لے کر دشمن کی صفوں میں گھسنا اور دشمن کی زیادہ سے زیادہ ممکنہ تعداد کو قتل کرنے کے لیے اس سے دھماکہ کرنا جبکہ اسے معلوم ہو کہ سب سے پہلے وہ خود مارا جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کام جائز جہاد کی ایک قسم ہے اور یہ شخص باذن اللہ شہید ہو گا۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کا فتویٰ

جب حربی دشمن مثلاً یہود کے خلاف فدائی کارروائیاں، خودکش حملے یا استشہادی حملے کرنا لازم ہو جائے اور یہ گمان غالب ہو کہ دشمن ایسا کرنے والے کو قتل کر دے گا، اسے اذیتیں دے گا اور یہ کہ یہ کارروائی با اختیار شرعی ارادے کی اجازت سے ہو اور دشمن کو ڈرانے، اسے دہشت زدہ کرنے یا دشمن کے ظلم کو ختم کرنے کے لیے ہو تو اللہ کے حکم سے جائز ہوگی۔ کیونکہ یہ آج کل شرعی ضرورت بن گئی ہے۔ کیونکہ کسی منظم فوج کے ذریعے دشمن کے مقابلے سے مقصود حاصل نہیں ہو رہا جبکہ اس قسم کی دلیرانہ کارروائیاں ظالموں کے ظلم کو روکنے میں بہت اہم تبدیلیوں کا باعث بنی ہیں۔

ڈاکٹر علی محمد الصوا کا فتویٰ

ان حملوں کو خودکش حملے (بمعنی خودکشی) کہنا اور ایسا کرنے اور ان کی مدد کرنے والوں کو دہشت گرد کہنا جہالت یا تجاہل ہے۔ ان حملوں اور حملہ کرنے والوں کے بارے میں پروپیگنڈے کا مقصد واضح ہے کہ اس فعل کو حرام قرار دیا جائے اور ایسا کرنے والوں اور ان کی معاونت کرنے والوں کے تعاقب کی کوئی دلیل پیش کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ظلم اور غصب کو قوت پہنچائی جائے اور اسے قانونی حیثیت دی جائے۔ جاہل یا متجاہل کے حکم کو اس لیے قبول نہیں کیا جا سکتا کہ پہلا حق جانتا نہیں اور دوسرا باطل کی جانبداری کر رہا ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کا فتویٰ

یہ کارروائیاں اللہ کی راہ میں جہاد کی اعلیٰ قسم ہیں۔ یہ وہ شرعی دہشت گردی ہے جس کی جانب قرآن اشارہ کرتا ہے۔ ﴿واعدوا لهم ما استطعتم من قوة..... الخ﴾۔ ان حملوں کو خودکش (بمعنی خودکشی) کہنا غلط اور گمراہ کن ہے۔ کیونکہ یہ فدا کارانہ، دلیرانہ اور شہادت جویانہ کارروائیاں ہیں۔ خودکش اپنے آپ کو اپنی خاطر قتل کرتا ہے جبکہ استشہادی اپنے آپ کو اپنے دین اور امت کی خاطر قتل کرتا ہے۔ یہ جدید ہتھیار اللہ نے متکبر اور زور آور کی مزاحمت کے لیے کمزوروں کو عطا فرمایا ہے کہ ایک مجاہد انسانی بم بن کر کسی مخصوص مقام اور وقت پر اللہ اور وطن کے دشمنوں کے درمیان پھٹ پڑتا ہے

یہ لوگ اس دلیر مجاہد کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں جس نے اللہ سے اپنی جان کا سودا کر لیا ہے۔ اسرائیلی معاشرہ فوجی معاشرہ ہے اگر ان کارروائیوں میں کوئی بوڑھا یا بچہ مارا جاتا ہے تو وہ غلطی اور جنگی ضرورت کی بنا پر مارا جاتا ہے اور اصول ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔ (۳۶)

گزشتہ بحث میں تو صرف چند راسخ العلم حضرات کی آراء کا تذکرہ ہے جنہوں نے حق اور باطل کو واضح کرنا اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔ اگر موضوع کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ایسے اہل حق علماء کی ایک بڑی تعداد ہے جو خودکش یا استشہادی حملے کے جواز کے قائل ہیں۔ یہ حملے اتنے کارگر اور پر اثر ہیں کہ اگر ہم اپنے سامنے فلسطین اور اسرائیل کی مثال رکھیں تو ان استشہادی حملوں نے یہودی ریاست کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور ایٹمی اسلحے کو بے کار کر دیا ہے اگر اسرائیلی فوج اسرائیل کے اندر ایک استشہادی یا خودکش حملہ آور کا مقابلہ ایٹم بم سے کرے تو یقیناً یہ خودکشی ہوگی اور اپنے خلاف سزائے موت کا فیصلہ ہوگا۔ اور یہی وہ مشکل ہے جس کا اس ملعونی قوم کے پاس جواب نہیں۔ اسی طرح جب عراقی مزاحمت کاروں نے یہ اندازہ کر لیا کہ وہ امریکی فوج کے سامنے صف بندی کر کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں کر سکتے تو انہوں نے عراقی نیشنل گارڈز میں شمولیت حاصل کر لی تاکہ دشمن کے قلب میں بیٹھ کر اس پر حملہ کیا جا سکے جس کی تازہ مثال موصل میں پری کرسمس پارٹی کے موقع پر شراب و کباب کی گرم محفل میں خودکش حملہ کر کے چودہ سے زائد امریکی فوجیوں کو واصل جہنم کیا اور یہ ہدف ان عراقی مجاہدین کے لیے اپنے محدود وسائل کو کام میں لا کر یعنی کسی راکٹ حملے میں ایسا کرنا ناممکن تھا۔

خلاصہ کلام

خودکش، جہادی یا استشہادی حملوں کا مظہر یہ ہے کہ محدود وسائل رکھنے والا مجاہد دشمن کی صفوں میں گھس جاتا ہے (خواہ دشمن کی سرزمین یعنی دارالحرب ہو یا اپنی سرزمین یعنی دارالاسلام جس پر وہ دشمن غاصب ہو) اور اپنے جسم کے ساتھ دھماکہ خیز مواد کا بیلٹ باندھ لیتا ہے یا اپنے بیگ یا کسی اور چیز میں کوئی پھٹنے والا مواد، بارود یا بم رکھ کر لے جاتا ہے اور دشمنان دین کی گاڑیوں، طیاروں، عمارتوں یا چھاؤنیوں میں

پہنچ کر اس مواد کو بھک سے اڑا دیتا ہے اور ساتھ ہی خود بھی ابدی جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔

ایسے حملوں میں کبھی تو اس کی موت یقینی ہوتی ہے اور کبھی غالب گمان کیونکہ قدرتِ الٰہی چاہے تو یقینی موت کے منہ سے نکال کر زندگی بخش دے۔ جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوا یا روزمرہ زندگی میں اس کی کئی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ چنانچہ ایسے حملہ آور مجاہد بچ بھی سکتا ہے خواہ خرق عادت ہی کیوں نہ ہو لیکن ان حملوں میں قربِ الٰہی، اسلام کی فتح، دشمن کو زک پہنچانے اور شہادت کی نیت ضروری ہے، نہ کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اور آزمائشوں سے تنگ آ کر ایسا کرے کیونکہ اس صورت میں یہ سراسر خودکشی ہوگی۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن   نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

خودکش حملہ آور موت کی محبت کی وجہ سے زندگی سے گلوخلاصی نہیں کرتا بلکہ مرتے دم تک اپنے دین اور وطن کی حفاظت کرتا ہے اور حق کو حق کر دکھانے کی ایک سعی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی لله﴾ (الانعام/۶۳)

خودکش حملہ آور اپنے عمل سے وہ زبان استعمال کرتا ہے جو بندروں کی نسل سمجھتی ہے اور اس نسل کی تہذیب ہوا اپنے آپ کو متمدن کہلاتی ہے طاقتور کے سوا کسی کو نہیں پہنچانتی۔ غاصب کا غصب جب تک رہے اس کے خون مال اور جان کا کوئی احترام نہیں۔ اپنی موجودہ صورت میں خودکش یا استشہادی حملہ پچھلی صدی کے نصف کے لگ بھگ پیدا ہونے والی دینی بیداری کا ایک سلسلہ ہے جو کرۂ ارض پر پھیلی اسلامی تحریکوں میں ایک نعرے کے شکل اختیار کر گئی کہ

اللہ ہمارا مقصود   رسولؐ ہمارے رہنما

قرآن ہمارا دستور   شہادت ہماری آرزو

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولا تلبسو الحق بالباطل و لا تکتمو الحق و انتم تعلمون﴾ (البقرۃ/۴۲)

”حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور حق کو جانتے ہوئے اس کو نہ چھپاؤ“

اگر اس فعل کو جائز نہ کہا جائے تو پھر ہم ابو دجانہؓ کے احد کے دن کے اس فعل کی کیا تاویل کریں گے جس میں انہوں نے دشمن کے تیروں اور نیزوں کو نبی اکرم ﷺ کے دفاع میں اپنے جسم پر روکا اور حضرت علیؓ ہجرت کے وقت نبی اکرم ﷺ کے بستر پر سونے کی کیا توجیہ کریں گے۔ جنگ جمل میں عبداللہ بن زبیرؓ ایک خارجی اشتر نخعی سے گتھم گتھا ہوئے آپ کو محسوس ہوا کہ وہ بھاگ جائے گا تو ساتھیوں سے اپنے اور مالک کے قتل کا کہا مگر آپ کے ساتھی اشتر نخعی کو مالک کے نام سے نہیں جانتے تھے انہوں نے کچھ دیر کر دی تو وہ بھاگ گیا۔ لہٰذا عبداللہ بن زبیر جیسے اہل علم صحابی ایک خارجی کی خاطر اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں اپنے قتل کو جائز سمجھتے تھے تو اگر ایک مجاہد اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ختم کر کے کئی کفار کو جہنم واصل کر دے تو یہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ ان حملوں کو جائز کہنا مقاصد شریعت کا بھی تقاضا ہے۔

ان استشہادی حملوں کے بارے میں ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ایسا حملہ کرنے سے وہاں کے لوگوں پر غاصب کا ظلم وستم شدت اختیار کر جاتا ہے تو اس اعتراض کو اگر مان لیا جائے تو پھر یہ اعتراض ہر اس جہادی کارروائی پر بھی کیا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے دشمن کو کوئی نقصان پہنچے اور وہ اس سے تنگی محسوس کرے۔ زمینی حقائق اس بات پر شاہد ہیں کہ جب بھی کسی نے پسپائی اختیار کی تو اس کے دشمن نے اس کو مزید پسپائی پر مجبور کیا ہے۔

یہودی علماء کو قصداً قتل کرنا جائز ہے کیونکہ وہ اپنی حکومتوں کو مسلمانوں کو ان کے علاقوں سے نکالنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس فعل کو ہم دہشت گردی اس لیے نہیں کہہ سکتے کیونکہ دہشت گردی تو زبردستی کوئی ایسی چیز چھیننا ہے جس پر آپ کا کوئی حق نہ ہو اور دوسرے کو اس لیے ڈرانا ہے کہ آپ کسی ایسے کام تک پہنچیں جو آپ کا حق نہیں ہے۔

کسی قدیم عربی شاعر نے کہا ہے

إذ لم يكن إلا الأسنة مركب　　فما حيلة المضطر إلا ركوبها

''جب نیزوں کے پھلوں کے سوا کوئی سواری نہ ہو تو مجبور شخص کے لیے اس سواری کے بغیر کوئی چارہ نہیں''۔ واللہ اعلم

حوالہ جات

۱۔ الجامع الصحیح ، کتاب الامارہ ، حدیث رقم : ۱۸۹۹

۲۔ صحیح مسلم بشرح نووی،۱۳/۶۹۔۷۰

۳۔ السیرۃ النبویہ،۲/۴۱۰

۴۔ الجامع الصحیح ،کتاب المغازی،حدیث رقم: ۴۰۶۳

۵۔ الجامع الاحکام القرآن،۲/۲۴۲

۶۔ اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء،ص ۳۱

۷۔ الجہاد فی الاسلام،ص ۶۳

۸۔ الجامع لاحکام القرآن،۲/۲۴۳

۹۔ ماخوذ از احکام القرآن،۱/۱۶۵۔۱۶۶

۱۰۔ مجموع الفتاویٰ،۲۸/۵۴۰

۱۱۔ مغنی المحتاج،۴/۲۱۹

۱۲۔ حاشیہ ابن عابدین،۴/۳۰۳ ☆ صحیح مسلم نے حضرت انسؓ سے مروی حدیث کی طرف اشارہ ہے

۱۳۔ القاموس المحیط ،۱/۶۶۶

۱۴۔ لسان العرب،۱۴/۶۹

۱۵۔ Suicide, P-44

۱۶۔ الجامع لاحکام القرآن،۵/۱۵۷

۱۷۔ النساء:۴/۲۹

۱۸۔ تفہیم القرآن،۱/۳۴۵۔۳۴۶

۱۹۔ ماخوذ الجامع الاحکام القرآن،۵/۱۵۶۔۱۵۷

۲۰۔ معارف القرآن (م ش)،۲/۳۸۱

۲۱۔ الجامع الصحیح ،کتاب الجنائز،حدیث رقم:۱۳۶۵

۲۲۔ الجامع الصحیح ،کتاب الایمان والنذور،حدیث رقم:۶۶۵۲

۲۳۔ ماخوذ الجامع الاحکام القرآن، ۵/۱۶۵

۲۴۔ البقرۃ: ۲/۱۹۵

۲۵۔ ماخوذ اسباب النزول، بحوالہ کلمات القرآن الکریم، ص ۴۵۔۴۶

۲۶۔ ماخوذ الجامع الاحکام القرآن، ۲/۳۶۱

۲۷۔ ماخوذ فتح القدیر، ۱/۲۱۷

۲۸۔ تفہیم القرآن، ۱/۱۵۳

۲۹۔ الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر حدیث رقم: ۱۷۳۱

۳۰۔ الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، حدیث رقم: ۱۷۴۴

۳۱۔ ماخوذ شرح صحیح مسلم، ۱۲/۷۳

۳۲۔ سنن ابوداؤد، حدیث رقم: ۳۳۳

۳۳۔ الجامع الصحیح کتاب المغازی، حدیث رقم: ۴۳۲۳

۳۴۔ ماخوذ بحوالہ العملیات الاستشہادیہ فی المیزان الفقہی، ص ۸۲

۳۵۔ ایضاً، ص ۸۵۔۸۶

۳۶۔ ماخوذ بحوالہ العملیات الاستشہادیہ فی المیزان الفقہی، ص ۹۸۔۱۰۸

مصادر و مراجع

۱. القرآن

۲. البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۱۴۱۵ھ

۳. تکروری، نواف ہائل، العملیات الاستشہادیہ فی المیزان الفقہی، دار الفکر، دمشق، ۱۹۹۷ء

۴. ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، الرئاستہ العامتہ لشئون الحرمین الشریفین، الریاض، س ن

٥. الخضری ، محمد ، اتمام الو فا فی سیرة الخلفا ء ، دارالکتب العلمیه ، ١٩٨٣ء

٦. خطیب شربینی ، محمد ، مغنی المحتاج إلی معرفة معانی ألفاظ المنهاج، دارالفکر ، س ن

٧. ابو داؤ د ، سلیمان بن اشعث الازدی ، کتاب المراسیل ، دارالجیل ، بیروت لبنان، ١٤١٢ھ

٨. السرخسی ، شمس الدین ، المبسوط ، دارالفکر ، ١٩٨٩ء

٩. شفیع، محمد مفتی ، معا رف القرآن ، فرید بک ڈپو دهلی ٦ ، ١٩٩٨ء

١٠. الشوکانی ،محمد بن علی بن محمد ، فتح القدیر ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت لبنان ، ١٩٩٨ء

١١. ابن غابدین ، محمد امین الشهیر ، حاشیه ابن عابدین ، دارالفکر ، ١٩٩٥ء

١٢. عسقلانی ، احمد بن حجر ، فتح الباری بشرح صحیح البخاری ، دارالفکر ، ١٩٩١

١٣. ابن العربی ، ابو بکر بن عبدالله ، احکام القراان ، دارلفکر، س ن

١٤. فیروز آبادی ، مجد الدین محمد بن یعقوب ، داراحیاء التراث العربی ،بیروت لبنان، ١٩٩٧ء

١٥. القرطبی ، ابو عبدالله محمد بن احمد ، الجامع الا حکام القرآن ، دارالکتب العلمیه ، بیروت لبنان ، س ن

١٦. ابن کثیر عماد الدین ابوالفداء، تاریخ ابن کثیر ، دار احیاء التراث العربی،بیروت لبنان ، س ن

١٧. مسلم بن الحجاج ، القشیری ،الجامع الصحیح ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت لبنان، ١٤١٥ھ

١٨. ابن منظور ، افریقی ، علامه ، لسان ا لعرب، دار احیاء التراث العربی ،بیروت لبنان،١٩٨٨ء

١٩. مودودی ، ابو الا علی ، سید ، تفهیم القرآن ، مکتبه تعمیر انسانیت ، لاهور، ١٩٧٩ء

٢٠. ایضا ، الجهاد فی الاسلام ، اداره ترجمان القرآن ، لاهور ، ٢٠٠٢ء

٢١. النووی ، شرف الدین ، شرح مسلم، دارالکتب العلمیه ، بیروت لبنان ، ١٩٩٥ء

٢٢. الواحدی ، ابوالحسن علی بن احمد ، اسباب النزول بکلمات القرآن ،(حسنین مخلوف) دارالفجر الاسلامی ، دمشق ، س ن

Durkheim, Emile, Suicide (Translated by: J.A. Spaulding And George Simpson), The Free Press A division of Macmillan Publishing Company, Inc 1966, New York.